مسئلہ سود کے متعلق چند اشکالات

سوال :- میں معاشیات کا طالب علم ہوں۔ اس لئے اسلامی معاشیات کے سلسلے میں مجھے جس قدر کتابیں مل سکی ہیں میں نے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ "سود" کے بعض ابواب میں نے کئی کئی بار پڑھے ہیں لیکن بعض چیزیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

"کچھ دن ہوئے میں نے آپ کو یہ سوال لکھا تھا کہ آپ خرچ پر جس قدر زور دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ صرف یہی ہوگا کہ اسلامی ریاست میں سرمایہ کی شدید کمی ہو جائے گی اور ملک کی صنعتی ترقی رک جائے گی۔ اس کا جواب آپ کی طرف سے یہ دیا گیا تھا۔ کہ سود میں اس کا جواب موجود ہے۔ متعلقہ ابواب کو دوبارہ پڑھا جائے۔ میں نے کئی بار ان ابواب کو پڑھا ہے اور میرا اعتراض قائم ہے۔ لہٰذا میں آپ کے پیش کردہ دلائل کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں اور پھر اپنا اعتراض پیش کرتا ہوں۔

آپ کا استدلال یہ ہے کہ لوگ دل کھول کر خرچ کریں تو ہر چیز کی مانگ بڑھے گی اس کا نتیجہ یہ ہوگا (PRODUCERS) اپنی پیداوار بڑھائیں گے۔ یعنی زیادہ عوامل کو روزگار مہیا کریں گے۔ عوامل پیداوار FACTORS OF PRODUCTION کی بڑھتی ہوئی آمدنی کے نتیجہ میں چیزوں کی مانگ اور بڑھے گی۔ غرضیکہ معاشی خوشحالی کا ایسا چکر چلے گا جس سے کہ ایک طرف عوامل پیداوار کی آمدنی اور معیارِ زندگی بلند ہوتا چلا جائے گا اور دوسری طرف PRODUCERS کی بکری اور منافع بڑھتا چلا جائے گا۔

اس کے بعد آپ یہ کہتے ہیں کہ صنعتوں کے لئے سرمایہ بڑھتے ہوئے منافع اور بڑھتی ہوئی آمدنی سے بچی ہوئی رقم میں سے فراہم ہو جائے گا۔

اب میں اپنے اعتراضات بیان کرتا ہوں۔ میں شروع میں ہی یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سود کی بندش سے پس اندازی کا سلسلہ رک جانے کا مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے

میرا سارا اعتراض یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرو کی پالیسی صحیح پالیسی نہیں ہے۔

آپ کے پورے استدلال کی تہ میں یہ مفروضہ کام کر رہا ہے کہ ملک پہلے سے ہی پوری طرح صنعتی ترقی کر چکا ہے اب صرف سالانہ REPLACEMENT اور DEPRECIATION کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ لوگوں کی پس انداز کرنے کی عادت کی بنا پر ملک کی موجودہ صنعتی CAPACITY بھی پوری طرح استعمال نہیں ہو رہی۔

پہلا نتیجہ میں نے اس طرح اخذ کیا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ صنعت کا اندرونی منافع ہی سرمایہ کی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ ورنہ دل کھول کر خرچ کرنے کے بعد بھی جو بچے گا وہ سرمایہ کی کمی کو پورا کر دیگا لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ جب صنعت پہلے سے خوب ترقی یافتہ ہو۔ اگر صنعت بالکل نہ ہو یا ابتدائی مراحل میں ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اندرونی سرمایہ ہی یا تھوڑا سا باہر کا سرمایہ ملا کر ضرورت پوری ہو جائے۔ مثال کے طور پر پاکستان کا ششش سالہ پلان لیجئے باوجود اس کے کہ یہ پلان ہماری ضروریات کے لحاظ سے انتہائی حقیر ہے اور اس میں ملکی ضروریات سے زیادہ سرمایہ کی فراہمی کے مسئلہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس پلان کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے صنعتی اور ملکی سرمایہ ملا کر اور غیر ملکی سرمایہ کو بھی شامل کر کے سرمایہ کی ضروریات پوری نہیں ہو رہیں اور حکومت کو خسارے کا بجٹ بنانے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے۔ یہی حال ہندوستان انڈونیشیا، جاپان وغیرہ ممالک کا ہے۔ جتنے پسماندہ ممالک ہیں کسی کا ملکی سرمایہ بھی اس کی صنعتی ضروریات کے لئے کافی نہیں۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ صنعت کا اپنا سرمایہ اور تھوڑی بہت پسماندہ رقم ہماری صنعتی ضروریات کے لئے کافی ہوگی کس طرح صحیح ہے۔ اسی بنا پر 9.B.D.R, 9.MF وغیرہ وجود میں آئے ہیں۔

دوسرا مفروضہ میں نے اسی طرح نکالا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ جب لوگ زیادہ خرچ کریں گے تو روزگار بڑھے گا اور PRODUCERS زیادہ عوامل پیداوار سے روزگار مہیا کریں گے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے کہ جب EXCESS CAPACITY موجود ہو۔ اگر زائد قوت

EXCESS CAPACITY موجود نہ ہو یعنی کارخانے اپنی CAPACITY سے کم کام کر رہے ہوں یا سرے سے کارخانے ہی موجود نہ ہوں، جیسا کہ عام طور پر پسماندہ ممالک میں ہوتا ہے۔ تو زیادہ خرچ کرنے کا نتیجہ سوائے افراط زر کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، دوسرے ممالک کو چھوڑیئے۔ خود اپنے ہی ملک میں یہاں اس کا بہت تلخ تجربہ ہوا ہے۔ دوران جنگ میں جب کارخانے دن رات کام کر رہے تھے لیکن روپے کی فراوانی کی بناء پر لوگ خوب خرچ کر رہے تھے۔ اس وقت صنعت میں برائے نام ہی ترقی ہوئی تھی۔ البتہ INFLATION خوب بڑھ گئی تھی۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ زیادہ خرچ کرنے سے صنعت کو فروغ ہوگا۔ کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ آپ کی معاشیات تنزل پذیر DEPRESSION ECONOMICS ہے اور DEVELOPMENT — ECONOMICS ترقی یافتہ نہیں ہے۔ آپ کا نسخہ ترقی یافتہ ممالک میں تو کارگر ہو سکتا ہے پسماندہ ممالک میں نہیں۔

یہ تو تھا آپ کے دلائل کا جائزہ اور ان پر میرا اعتراض۔ اب میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرو کی پالیسی کے خلاف چند دلائل پیش کرنا چاہتا ہوں۔

i. ہر قسم کے اخراجات معاشی نقطہ نظر سے مفید نہیں ہیں اگر PRODUCERS اپنا زائد منافع صنعت میں لگا دینے کے بجائے قیمتی مکانات، قیمتی لباس، قیمتی فرنیچر وغیرہ پر صرف کر دیں تو ملکی صنعت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ بلکہ الٹا نقصان ہی پہنچے گا کیوں کہ وہ رقم صنعتی سرمایہ نہ بنی علاوہ ازیں اتنی رقم صنعتی پیداوار پر صرف ہونے سے بھی رہ گئی۔ اس طرح اتنی مالیت کی پیداوار فروخت نہ ہو سکی اور ایسے اخراجات حرام نہیں ہیں۔ لہٰذا زیادہ خرچ کرو کی پالیسی معاشی مسائل کا حل نہیں ہے۔

ii. "زیادہ خرچ کرو کی پالیسی پسماندہ ممالک کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایسے ممالک میں چونکہ ملکی صنعت برائے نام ہی ہوتی ہے اس لئے خرچ کا بیشتر حصہ درآمدی (IMPORTED) اشیاء پر صرف ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی زرمبادلہ پر بہت بوجھ (DRAIN)

پڑتا ہے۔ ایک تو ویسے ہی ان ممالک کے غیر ملکی وسائل بہت محدود ہوتے ہیں پھر اوپر سے CONSUMPTION EXPENDITURE کا بوجھ/دباؤ پڑتا ہے اس کی وجہ سے مشینوں کی درآمد کے لئے بہت کم وسائل رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا زیادہ خرچ کرنے کی پالیسی سے صنعتی ترقی کو سخت نقصان پہنچتا ہے جب خرچ کا دباؤ زیادہ پڑ رہا ہو تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ CONSUMPTION GOODS کی درآمد بند کر دی جائے۔ کیونکہ پھر ملک میں INFLATION کا چکر چلنے لگے گا۔ ان دونوں صورتوں کا تجربہ ہم نے خوب کیا ہے۔ پہلی صورت کا تجربہ فضل الرحمٰن صاحب کا O.G.L. تھا۔ دوسری صورت کا تجربہ 1953 سے ہو رہا ہے۔ اور دونوں تجربات کے نتائج سب کے سامنے ہیں۔

iii ۔ "زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کی پالیسی اور بسرعت صنعتی ترقی کی خواہش بالکل متضاد ہیں۔ ہر ملک کے وسائل محدود ہوتے ہیں۔ ان وسائل کو دو طرح سے خرچ کیا جا سکتا ہے ـــ CONSUMPTION پر۔ اور PRODUCTION پر۔ جتنے زیادہ وسائل CONSUMPTION DEMAND کو پورا کرنے کے لئے صرف کئے جائیں گے اتنے ہی کم وسائل PRODUCTION DEMEND کو پورا کرنے کے رہ جائیں گے۔ یہاں الٰہ دین کا چراغ نہیں ہے کہ جب جی چاہا جتنا چاہا! جس غرض کے لئے چاہا مہیا ہو گیا اور مستقبل کے متعلق فکر بھی نہ کرنا پڑی۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ میں صرف ایک عام فہم مثال دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ انگلستان میں آج بھی رہائشی مکانات کی بہت قلت ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ لوگ بنانا نہیں چاہتے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ وسائل کی کمی زیادہ مکانات بنانے کی اجازت نہیں دیتی۔ جتنا زیادہ لوہا سیمنٹ صرف کیا جائے گا اتنا ہی کم دوسری صنعتوں کے لئے رہ جائے گا۔ اسی لئے معاشی کونسل ہر صنعت کے لئے تمام عوامل کا QUOTA مقرر کر دیتی ہے تاکہ سب کو کچھ نہ کچھ حصہ مل جائے اور کوئی کام بند نہ ہو۔

تھا ۔ کوئی پسماندہ ملک بغیر CONSUMPTION EXPENDITURE کو کم کئے اور بغیر اپنی قومی آمدنی کا خاصہ حصہ پس انداز کئے ترقی نہیں کر سکتا۔ بیرونی امداد اور بیرونی سرمایہ کی بڑی سے بڑی رقوم بھی ایسے ملک کے سرمایہ کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتیں اگر یہ ممالک CONSUMPTION EXPENDITURE کو کم کرنے اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کرنے پر تیار نہیں ہیں تو پھر صنعتی ترقی کے خواب ہی دیکھتے رہیں ۔ اور ان خوابوں کے پورا ہونے میں بہت وقت لگے گا اور بہت قربانیاں دینی پڑیں گی ۔ اس دعویٰ کا بہترین ثبوت روس اور جاپان پیش کرتے ہیں۔ گو کہ سیاسی اعتبار سے دونوں ممالک میں بعد المشرقین ہے ۔ لیکن معاشی ترقی کے لئے دونوں نے ایک ہی ذریعہ اختیار کیا۔ دونوں ، ہماری طرح ہی بدحال تھے ۔ دونوں کو غیر ملکی سرمایہ نہیں ملا اور دونوں سرعت سے صنعتی ترقی کے خواہاں تھے لہٰذا انھوں نے CONSUMPTION EXPENDITURE کو کم کیا اور قومی آمدنی کا ایک خاص حصہ جبرًا پس انداز کیا اور اس سرمایہ سے اپنی صنعتیں کھڑی کیں ۔

2 ۔ میرا دوسرا بڑا اعتراض سود حصہ دوم میں دیئے ہوئے بینکنگ کے تجزیہ پر ہے صفحہ ۱۲۱ سے صفحہ ۱۲۲ تک آپ نے بینکنگ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ کس طرح پہلے سناروں نے امانتداروں کا سونا قرض دینا شروع کر دیا اور پھر اس طرح اس سونے کے بل پر ۱۰ گنا قرض دینے لگے ۔ آپ کہتے ہیں کہ اس طرح ان لوگوں نے ۹۰ فیصد جعلی روپیہ بالکل بے بنیاد کرنسی کی شکل میں بنا ڈالا اور خواہ مخواہ اس کے مالک بن بیٹھے اور سوسائٹی کے سر پر اس کو قرض کے طور پر لاد لاد کر اس پر دس یا بارہ فیصد سود وصول کرنے لگے ۔ ۔ ۔ ۔ "

یہ سنار اس مسلسل جعلسازی سے ملک کی ۹۰ فیصدی دولت کے مالک ہو چکے تھے

اس پورے تجزیہ سے مجھے سراسر اختلاف ہے ۔ جہاں تک آپ نے بینکنگ کی تاریخ بیان کی ہے ۔ وہاں تک مجھے کوئی اختلاف نہیں۔ میرا اختلاف ان باتوں سے ہے جنہیں میں نے آپ کے الفاظ میں قلمبند کیا ہے ۔ میں یہ کہتا ہوں کہ

i - وہ سرمایہ جعلی نہیں۔ ii بینکر کی ملک نہیں۔

iii - وہ سوسائٹی پر زبردستی قرض کی صورت میں لادا نہیں گیا۔

iii - بینکر ملک کی ۹۰ فیصد دولت کے مالک نہیں بن گئے تھے۔

iv - سرمایہ تخلیق CREATE کرنے کا عمل بینکنگ کی ابتدا میں ہی نہیں ہوا تھا، بلکہ روز ہوتا ہے۔ ان باتوں کو ثابت کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ بینکنگ کی حقیقت کو جس طرح میں نے سمجھا ہے اسے بیان کر دوں۔

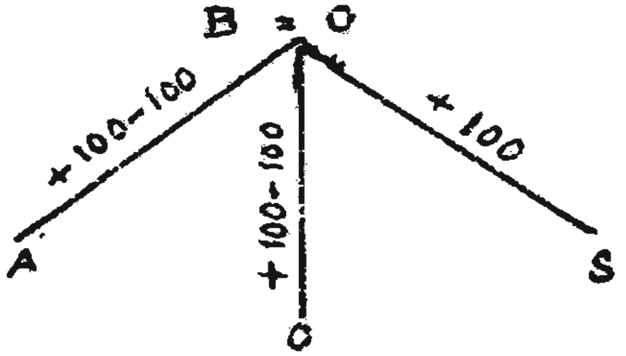

ایک شخص بنک کھولتا ہے۔ اس کے پاس اپنا کوئی سرمایہ نہیں، اور نہ ہی کوئی اثاثہ اس کے پاس رقم دکھاتا ہے۔ چونکہ بنک صفر سے قائم ہوتا ہے (B = 0)۔ اس کے پاس ایک شخص A آتا ہے اور ۱۰۰ روپے قرض مانگتا ہے۔ بنک اس کی درخواست قبول کر لیتا ہے لیکن نقدی کی صورت میں کچھ بھی نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے نام ۱۰۰ روپے اپنے کھاتے میں جمع کر لیتا ہے (A +100)۔ اب A بازار میں C سے کچھ مال خریدتا ہے اور اسے ۱۰۰ روپوں کا چیک دے دیتا ہے۔ C اسے بنک میں جمع کرا دیتا ہے بنک A کے کھاتے سے ۱۰۰ روپے گھٹا دیتا ہے ———

(A +100 — 100 = 0) اور سی کے نام جمع کر لیتا ہے (C +100) بازار میں ۱۰۰ روپے کی چیز C سے A کے پاس چلی گئی اس کے عوض میں اسٹیٹ بنک کا ایک نوٹ بھی نہ دیا گیا، بلکہ B کے کھاتے میں ۱۰۰ روپے کا اندراج کر دیا گیا۔ بنک (B) کے پاس پہلے بھی کوئی رقم نہ تھی اور اب بھی کوئی رقم نہیں ہے اب C مال خریدتا

ہے اور S کو ۱۰۰ روپے کا چیک دے دیتا ہے۔ بنک C کے کھاتے سے ۱۰۰ روپے گھٹا دیتا ہے اور S کے نام جمع کر دیتا ہے۔ غرضیکہ اسی طرح تجارت کا چکر چلتا رہتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بنک کے پاس اپنا کچھ نہیں تھا۔ لیکن اس نے پھر بھی ۱۰۰ روپے کا قرض دے دیا اور بنک کا قرض بازار میں کرنسی نوٹوں کی طرح چل رہا ہے اس رقم سے اس طرح خرید و فروخت ہو رہی ہے جس طرح عام نوٹوں سے ہوتی ہے اور بنک صفر سرمایہ سے کام شروع کرنے کے باوجود ۱۰۰ + روپے سود کا مالک بن بیٹھتا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ پکار اٹھتے ہیں کہ بنکر جعلساز ہے۔ اس نے خود ہی جعلی روپیہ بنایا اور اس کا مالک بن کر اسے سوسائٹی پر قرض کی صورت میں لاد دیا۔ اس طرح اتنی ملکی دولت اس کے قبضہ میں چلی گئی۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ احتجاج صحیح ہے۔

میں نے بنک کو صفر سرمایہ سے اس لئے شروع کیا ہے کہ آپ کے الزامات کی سنگینی پوری شدت سے ابھر آئے اور روپے بنانے میں ۱۰ : ۱ کے تناسب کی قید بھی حائل نہ ہو۔ پوری پوری رقم ایک شخص سے دوسرے شخص کے نام تبدیل کرنے میں حسابی سہولت مقصود ہے۔

ہماری مثال میں اب صورت حال یہ ہے کہ بنک کے پاس ایک دھیلہ بھی نہیں لیکن بنک کو A سے ۱۰۰ روپے ملنے ہیں کیوں کہ یہ رقم اس نے بنک سے قرض لی تھی۔ اس رقم کے علاوہ بنک کو سود بھی ملنا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ بنک کے کھاتے میں S کے نام ۱۰۰ روپے جمع ہیں یعنی بنک نے S کو ۱۰۰ روپے دینے ہیں یعنی بنک کو اگر ایک طرف سے سود + ۱۰۰ ملنا ہے تو دوسری طرف اس کے ذمہ ۱۰۰ روپے واجب الادا بھی ہیں۔

اب پوری بات صاف ہو جاتی ہے۔

۱۔ وہ رقم جو بنک نے پیدا کی تھی وہ بنک کی ملک نہیں ہے وہ بچانے والے

(S) کی ملک ہے ۔ بنک صرف سود کی رقم کا مالک ہے ۔

ii - لہذا بنک نے کوئی جعلی سرمایہ نہیں بنایا ۔ اس نے صرف بچانے والے کی رقم کو ادھار پر لگایا ہے ۔

iii - بنک سوسائٹی کی 90 فیصد دولت کا مالک نہیں بن رہا ۔

iv - بنک سوسائٹی کے سر پر زبردستی کوئی قرض نہیں لاد رہا ۔ دولت بچانے والا جس دن چاہے اس چکّر کو بند کر سکتا ہے ۔ (S) نے بنک سے نقد اپنے 100 روپے کا مطالبہ کر دیا ۔ بنک نے A سے کہا کہ میرا دیا ہوا قرض واپس دو ۔ A نے 100 + سود واپس کر دیا ۔ بنک نے S کو سو روپے دے دیئے اور سود کا کچھ حصّہ خود رکھ لیا کچھ S کو دے دیا ۔ اب بنک پھر خالی ہاتھ ہے نہ اس کا کسی پر قرض ہے اور نہ ہی اس کے ذمہ کوئی قرض ہے ۔

اگر بنک جعلی روپیہ بنا سکتے تو وہ کبھی فیل نہ ہوتے ۔ فیل وہ ہوتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ جعلی روپیہ نہیں بنا سکتے ، امانتدار اپنے روپے طلب کرتے ہیں اور بنک بعض اوقات فوری طور پر اپنے قرض واپس نہیں لے پاتا ۔ امانتدار فوری نقدی طلب کرتے ہیں ۔ اس لئے امانتداروں کے تقاضے بنک پورے کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں ۔ اور لال بتی جلا دیتے ہیں ۔

آپ کی تحریر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ساہوکاروں نے اپنی ترقی کے ابتدائی دور میں ایک کے دس بنائے تھے ۔ اب وہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سلسلہ اب تک چل رہا ہے ۔ روز ہر بنک ایک روپے کے بل پہ دس روپے قرض دیتا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے بنک قرض اپنے نوٹوں کی شکل میں دیتے تھے اب چیک کی صورت میں دیتے ہیں ۔ لیکن نوٹ اور چیک دونوں کی ماہیت اور دونوں کی THEORY ایک ہی ہے ۔ دونوں

بنک کے ذمہ واجب الاداء رقوم کے ثبوت ہیں۔ چونکہ CREATION OF MONEY تخلیقِ زر کے طریقہ سے آپ بخوبی واقف ہیں اس لئے اسے دہرانا بیکار ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری کم فہمی کی بناء پر یا آپ کی عبارت کی ساخت کی بناء پر مجھے یہ خیال گزرا۔ آپ اس عمل کو بنکنگ کی تاریخ کا ایک پرانا باب سمجھتے ہیں۔ کیا میرا یہ خیال صحیح ہے؟

3 - میرا تیسرا اور آخری سوال کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ فقہی استفسار ہے کیا اسلامی بنکنگ میں تجارتی بنکوں کو تخلیقِ زر کی اجازت ہوگی یا نہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔
اس عمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اگر اس کی اجازت نہ ہوگی تو اعتباری نظام میں لچک کس طرح پیدا کی جائے گی؟

امید ہے کہ آپ میرے اعتراضات کے تشفی بخش جواب دے کر میرے ذہن کو اطمینان بخشیں گے۔

جواب: آپ کا خط ۱۸ اکتوبر کو ملا۔ میرے پاس آپ کے سوالات محفوظ رکھے تھے، مگر کام کی کثرت اور مسلسل سفروں کی وجہ سے پڑھنے کی مہلت بھی نہ ملی کجا کہ جواب لکھ سکتا۔ اب آپ کی یاد دہانی پر یہ مختصر جواب حاضر ہے۔ تفصیلی بحث کی فرصت نہیں صرف اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا پہلا اعتراض دو مفروضوں پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ "صرف کرو" کی تبلیغ فوراً یہ نتیجہ دکھا دے گی کہ لوگ بے تحاشا صرف کرنا شروع کر دیں گے اور روپیہ بچانے یا کام پر لگانے کے سارے رجحانات بھی ختم ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ صرف کرو سے مراد اپنے اوپر ہی صرف کرنا اور ضروریات سے گزر کر تعیشات پر صرف کر دینا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں ہی باتیں درست نہیں ہیں۔ صرف کرنے کا رجحان بتدریج بڑھے گا۔ اس دوران میں اگر ساتھ ساتھ صنعتی ترقی کے لیے بھی کوشش جاری رہے تو اس کام کے لیے روپیہ ملتا رہے گا اور ان دونوں چیزوں کے متوازن نشوونما سے جیسے جیسے صنعتیں بڑھیں گی ان کے پیدا کردہ مال کی کھپت بھی بڑھتی اور صنعتوں کے لیے مزید ترقی کا سامان لاتی چلی جائیں گی۔ پھر چونکہ

صرف کر دینے سے ہماری مراد صرف اپنی ہی ذات پر صرف کرنا نہیں، بلکہ انفاق فی سبیل اللہ بھی ہے۔ اس لیے روپے کا ایک بڑا حصہ ان طبقوں میں جائے گا جن کی قوت خرید بحالت موجودہ بہت گھٹی ہوئی ہے اور وہ قوت خرید پیدا ہو جانے کے بعد اپنی ہر قسم کی ضروریات لینی شروع کر دیں گے جن سے تمام مختلف قسم کی صنعتوں کی آبیاری ہوگی۔ میرے ان دونوں بیانات کے پیچھے یہ بات بنیادی مفروضے کے طور پر کام کر رہی ہے کہ ملک کا نظام ایسے دانشمند لوگوں کے ہاتھوں چل رہا ہو جو ایک طرف اخلاق عامہ کی اصلاح اور صحت مند ذہنیت کی تخلیق کر رہے ہوں اور دوسری طرف تمام ان ذرائع کو جو ملک کے اندر فراہم ہو سکتے ہیں، ترقی کے کاموں پر ہوشیاری کے ساتھ لگاتے چلے جا رہے ہوں۔

بنکنگ کے سلسلے میں میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں پہلے جدید بنکنگ کی ابتدا بتائی گئی ہے اور پھر یہ بتایا گیا ہے کہ رفتہ رفتہ نشو و نما پا کر اب یہ کاروبار کس طرح چل رہا ہے اس میں میرے پیش نظر بجائے خود بنکنگ پر فنی بحث کرنا نہیں ہے، بلکہ دراصل میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس سسٹم میں قباحت کا پہلو کیا ہے۔ اور اس قباحت کے پہلو کو اس سے خارج کر کے وہ اصل ضرورت کیسے پوری کی جا سکتی ہے جس کے لیے ایک بنکنگ سسٹم درکار ہے۔ اسی لیے میں زیادہ تفصیلی بحثوں میں نہیں گیا ہوں۔ آپ نے اپنا اعتراض اٹھاتے وقت اس بات کا لحاظ نہیں رکھا کہ میں نے بنکنگ کی پیدائش اور نشو و نما کو تین مرحلوں میں بیان کیا ہے اور آپ نے ساری بحث کو ایک ہی مرحلہ بنا کر وہ باتیں جو ابتدائی دور سے متعلق تھیں موجودہ صورت حال کے متعلق سمجھ لی ہیں۔ نیز موجودہ صورت حال کو بھی آپ ایک مجرد مفروضے کی صورت میں پیش کر رہے ہیں، حالانکہ میں تیسرے مرحلے کے عنوان سے جو بحث کر رہا ہوں وہ بنکوں کے اس عملی طریق کار سے تعلق رکھتی ہے جس پر اب فی الواقع کام چل رہا ہے۔ آپ کے پاس اگر کتاب وہاں موجود ہو تو میری ساری بحث کو اس تقسیم کے مطابق پڑھیں جس طرح میں نے اپنے ذیلی عنوانات قائم کر کے کی ہے۔ پھر آپ کو محسوس ہو جائے گا کہ اس پر وہ اعتراض نہیں اٹھتے جو آپ نے اٹھائے ہیں۔